پدم شری علی جواد زیدی

شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ

شیخ ابو جعفر محمد بن الحسین الطوسی چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) کے خاتمے پر سرزمین ایران کے اس خطہ مبارکہ میں پیدا ہوئے جسے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی برکتوں نے حیات جاوید عطا کی اور جواب مشہد مقدس کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اس زمانے میں طوس کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ اسی مناسبت سے شیخ ابو جعفر کو طوسی کہا جاتا ہے۔ فقہ جعفری کے مقتدر ترین اور متبحر علماء میں شیخ کا نام شیخ علیہ الرحمہ، سید مرتضیٰ شریف علیہ الرحمہ (جامع نہج البلاغہ) اور ان کے برادر مکرم سید رضی شریف علیہ الرحمہ کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اگر چہ علامہ طوسی ان تین بزرگواروں کے بعد ابھر کر سامنے آتے ہیں لیکن انھوں نے ان سب سے کسب فیض کیا ہے اور اپنے اکتسابات کی بدولت شیخ الطائفہ کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

شیخ طوسی کی ولادت ۳۸۵ھ/۹۶-۹۹۵ء میں ہوئی اور اپنی ابتدائی تعلیم انھوں نے اپنے وطن مالوف طوس ہی میں حاصل کی۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے آپ نے عراق کا سفر اختیار کیا اور ۴۰۸ھ/۱۸-۱۰۱۷ء میں بغداد پہنچے۔ اس وقت حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ وہاں مسند نشین علم وارشاد تھے۔ ائمہ علیہ السلام کے بعد علماء اسلام میں اگر کوئی آواز شیعی دنیا میں سب سے معتبر اور مستند سمجھی گئی تو انھیں کی آواز تھی اور ہمیشہ قدر واحترام کی نظر سے دیکھی گئی۔ شیخ طوسی حضرت شیخ مفید کے حلقہ درس میں شامل ہوگئے اور ان کی تمام تر توجہات کے مستحق قرار پائے۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ نے ۴۱۴ھ/۲۴-۱۰۲۳ء میں وفات پائی۔ لیکن شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے بغداد اور نجف سے وابستگی ترک نہیں کی بلکہ شیخ مفید کے بعد ان کے عزیز ترین اور اہم ترین شاگرد

حضرت الشریف المرتضیٰ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ان سے مسلسل استفاضہ کرتے ہیں۔ ان دونوں کے قریبی تعلقات ۲۳ برس تک قائم رہے۔ اس دوران میں شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے اور کئی علماء اور اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے درس اور مباحثوں میں شرکت کی اور بغداد کے بے شمار کتب خانوں سے استفادہ کیا۔ انھیں میں مشہور کتب خانہ دار العلم بھی شامل تھا جس میں مختلف علوم وفنون پر کوئی دس ہزار کتابیں موجود تھیں۔ خود ان کے استاد حضرت الشریف المرتضیٰ کا عظیم الشان کتب خانہ ۸۰ ہزار کتابوں پر مشتمل تھا اس کے دروازے ان پر ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔

۴۳۶ھ/ ۴۵ـ ۱۰۴۴ء میں شریف مرتضیٰ کا انتقال ہوا۔ اور فرقۂ جعفریہ کی مرجعت الشیخ الطوسی علیہ الرحمہ کو منتقل ہوئی۔ ان کے علم وفضل کا شہرہ سن کر دور و نزدیک سے ہزاروں طالبان علم آپ کی خدمت میں آنے لگے۔ یقین کیا جاتا ہے آپ سے تین سو اہم علماء نے درس لیا ہے اور سب کے سب آپ کے علم وفضل کے معترف رہے ہیں۔ اس دور کے عباسی خلیفہ قائم بامر اللہ کو بھی آپ کے علمی کمالات کا اعتراف تھا اور اس نے درس علم کلام کی مسند آپ کو عطا کی تھی۔

علم کی دنیا میں بھی حسد کرنے والوں کی کمی نہیں ہوتی۔ اکثر پاسبان علم نے اس خوف سے کہ شیخ طوسی کے فضل کے سامنے ان کے چراغ ماند پڑ جائیں گے، ان کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ یہ وہ ہستیاں تھیں جو مذہب کو اپنے ذاتی اغراض کا آلہ کار بنانا چاہتی تھیں۔ انھوں نے خلیفہ کے سامنے یہ تہمت لگائی کہ شیخ مفید صحابہ کرام کی شان کے خلاف باتیں کہتے ہیں۔ یہ مسئلہ خلیفہ کے امام کو تفتیش حال کے لیے سپرد ہوا۔ انھوں نے شکایت کرنے والوں سے جرح کی۔ تفتیش حال پر ان کی شکایت بے اصل ثابت ہوئی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

اس کے بعد بھی شیخ الطائفہ کے خلاف شکایات کا سلسلہ جاری رہا۔ ان علماء نے اب عوام الناس کے ذہنوں میں شیخ کے خلاف زہر گھولنا شروع کیا۔ اور جذبات اس حد تک بھڑکا دیے کہ تقریباً فرقہ وارانہ فسادات کی شکل پیدا ہو گئی۔ صورت حال نے اس وقت نازک موڑ لیا جب پہلے سلجوقی بادشاہ رکن الدین طغرل بیگ دوسرے کے مقابلے میں ایک فرقے کی حمایت کرنے لگا اور بغداد کے مشہور کتب خانہ دار العلم کو جلائے جانے کا حکم دے دیا۔ مظالم کی آگ کی لپٹوں سے محقق طوسی نہ بچ سکے۔

۴۵۴ھ / ۱۰۶۲ء میں ان کے مکان پر حملہ کیا گیا۔ ان کی کتابیں اور تصانیف اور ان کی کرسی تدریس اور تین سفید تقریبی جھنڈے بھی بحق سرکار ضبط کر کے بعد میں جلا دیے گئے۔

حضرت علی علیہ السلام کے اسوہ مبارک پر عمل کرتے ہوئے اور اسلامی اتحاد کی خاطر مزید قتل و غارت سے مسلمانوں کو بچانے کے خیال سے علامہ طوسی نے بغداد کی رہائش ترک کر دی اور مشہد امیر المومنین نجف اشرف میں اقامت اختیار کی۔ نجف اس وقت ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جہاں تھوڑے سے مکانات تھے۔ یہاں پہنچ کر شیخ نے تعلیم و تدریس کا سلسلہ پھر شروع کیا اور آہستہ آہستہ طالب علموں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اس طرح یہاں اس حوزہ علمیہ فقہ کی بنیاد پڑی جو ابھی چند دنوں پہلے تک سرگرم کار تھا۔ نجف اسلام کا ایک مرکزی نقطہ بن گیا۔ اس کی یہ عظمت تو تھی ہی کہ اس کو حضرت علی کی ذات مبارک سے خاص نسبت ہے۔ اب یہ ایک تدریسی اور فقہی مرکز بن گیا۔ یہ شیخ طوسی کا فیض تھا۔ انھوں نے یہاں حوزہ کی بنیاد ڈالی اور یہاں سے ہر سال کثیر تعداد میں طلبہ فارغ التحصیل ہو کر نکلنے لگے۔ نجف میں قیام کر کے شیخ اہل اسلام کو بارہ برس تک اپنے فیوض علمی سے سیراب کرتے رہے۔ ۴۶۰ھ / ۶۸۔۱۰۶۷ء میں انھوں نے انتقال فرمایا۔ ان کے طلبہ ان کا جنازہ اپنے کاندھوں پر اٹھا کر مدفن تک لے گئے۔ اور ان کی وصیت کے مطابق انھیں کے مکان میں دفن کیا گیا۔ بعد میں اسے ایک مسجد کی شکل دے دی گئی اور یہ یادگار آج بھی باقی ہے۔

شیخ کا علم علی العموم اور امامیہ مسائل سے متعلق بالخصوص قاموسی اور ان کی شخصیت عبقری تھی انھوں نے علوم اسلامیہ کے مختلف شعبوں سے متعلق پچاس کے قریب کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کی تفسیر اور فقہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کی بہت سے تصانیف یا تو جلا دی گئیں۔ یا ضائع ہو گئیں لیکن جو محفوظ رہ گئی تھیں وہ بار بار شائع ہوتی رہی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی کچھ کتابیں ابھی مخطوطوں کی شکل میں غیر مطبوعہ ہیں اور بحیثیت مجموعی بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں نجف اشرف اور قم کے حوزہ ہائے فقہی میں یہ حوالے کی اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ شیخ کی تصانیف میں "الاستبصار" اہم ترین کتاب مانی جاتی ہے۔ اس کے چار مجلدات میں ایک کا تعلق شیعہ مسلمانوں سے ہے اور مصنف کے الفاظ میں اس کا تعلق مختلف اخبار اور ان کے مابین تطبیق" سے ہے۔ دوسری کتاب

"الابواب فی طبقات الاصحاب" ہے۔ اسے رجال الطوسی 'کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اور اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ سلم اور آل اطہار علیہم السلام کے اصحاب کے بارے میں معلومات درج ہیں۔ "التبیان فی تفسیر القرآن" کے بھی مصنف ہیں۔ یہ علوم قرآنی کے مختلف شعبوں مثلاً لغت، قرأت اور غیر مسلمین کے معتقدات کے جوابات پر مشتمل ہے اور اس نوعیت کی پہلی تفسیر مانی جاتی ہے۔ یہ تفسیر بیس جلدوں میں ہے۔

اسی طرح، تہذیب الاحکام" میں رسول اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تیرہ ہزار پانچ سو نوے احادیث مبارکہ جمع کی ہیں اور روایت و درایت کی رو سے انھیں پرکھا اور جانچا ہے۔ اس کے علاوہ فقہ میں "المبسوط" اور اخلاقیات میں "المصباح الکبیر" اور کچھ تاریخی تصانیف بھی ہیں۔ مثال کے طور پر "الغلیہ" غیبت امام عصر حضرت مہدی علیہ السلام سے متعلق ہے۔ ایک کتاب شہادت امام حسین علیہ اسلام کے بارے میں ہے۔ ایک الگ کتاب میں جناب مختار ثقفی کے حالات وواقعات درج ہیں۔

عالم تبحر، الشیخ الطوسی کا لقب "شیخ طائفہ بھی ہے (یعنی سرگروہ) بھی ہے۔ کیونکہ اسلامی خدمات میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔ ان میں سے بعض کی طرف اشارہ بے محل نہ ہوگا۔

(۱) سب سے اہم وصف یہ ہے کہ فقہ اسلامی میں ان کا علمی مرتبہ بہت بلند ہے۔ وہ کھلے ذہن کے مالک تھے اور طلب علم میں ہمیشہ کوشاں رہتے تھے اور پھر اس علم کو اپنے تلامذہ میں نہایت خوبی اور مستعدی سے پہنچاتے رہتے تھے۔ وہ متقی اور پرہیز گار تھے۔

(۲) انھوں نے سب سے پہلے نجف اشرف میں تعلیم اسلامی کی بنیاد رکھی اور اس زمانے سے آج تک دنیا کے مختلف گوشوں سے تشنگان علم آتے اور پیاس بجھاتے رہے ہیں۔ اس طرح اسلامی علوم کے فروغ میں ان کی ذات گرامی نے ایک خیر جاری کی بنیاد ڈالی۔

(۳) اس کے علاوہ وہ عالم تبحر تھے۔ علوم اسلامی کے مختلف شعبوں مثلاً فقہ وکلام و تفسیر و حدیث پر بیک وقت عبور حاصل تھا۔

(۴) ائمہ علیہم اسلام کے بعد اور امام عصر کی غیبت میں انھوں نے مرجعیت کے سوال کو قطعیت کی شکل دی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ عدم موجودگی میں لوگ مذہبی عالموں سے صلاح و مشورہ

کر سکیں اور روزمرہ پیش آنے والے مسائل میں ہدایت طلب کریں۔

(۵) ان کے تصنیفی کارناموں کے تاریخی پہلو بہت ہی اہم ہیں وہ تاریخی مواد اور واقعات کو بڑی ژرف نگاہی اور عزم و احتیاط سے جانچتے پرکھتے تھے اور جب پوری طرح مطمئن ہو جاتے تھے تبھی اپنی تصنیفوں میں ان کا ذکر کرتے تھے۔

۱۳۹۰ھ / ۱۷۔ ۱۹۹۰ء میں عالم اسلامی نے شیخ طوسی علیہ الرحمہ کی ہزار سالہ یادگار منائی اور مشہد یونیورسٹی میں دنیا بھر کے عالموں کا بہت بڑا اجتماع ہوا۔ اسلامی علماء نے حضرت شیخ کے تاریخ اقتباسات علمی کے بارے میں سیمیناروں اور تقریروں میں زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ اور ان کی شاندار علمی وراثت کا اقرار واعتراف کیا۔

مصر کی "الازہر" یونیورسٹی کے نمائندے شیخ ابو زہرا نے فرمایا کہ "الطوسی نے اپنے تقابلی مطالعات کے ذریعے اسلام کی بیش بہا خدمت انجام دی ہے اور ہم لوگوں کا کسی بھی اسلامی مکتبہ فکر سے تعلق کیوں نہ ہو ہم سب نے ان کی تصنیفات سے اخذ فیض کیا ہے۔

شیخ المحمود المہیری نے قاہرہ کے جریدہ دی اسلام میں لکھا کہ "وہ عالم اسلامی کے ممتاز عالم تھے، اور ان کی تصانیف نے ان کو ہم عصر علما میں ایک بے مثال اور بلند مقام عطا کیا تھا۔

❀❀❀